13

اطمینان قلب خدا کے کلام سے ملتا ہے

(فرمودہ ۲۰ر اپریل ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

انسان کی حالت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی چیز جو اس پر اثر کرتی ہے اور جو اس کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ وہ اس کے خیالات ہیں۔ عام طور پر لوگ نہ تو اقرار کرنے کے لئے تیار ہیں نہ اس کو محسوس کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ اثر کرنے والی چیز جس پر وہ قابض ہیں۔ یا وہ ان پر قابض ہے۔ وہ خیالات ہیں جو دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں ادنیٰ تغیر سے انسان کی حالت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ اگر نیک تغیر ہو تو اس کی زندگی پاک اور مصفّٰی ہو جاتی ہے۔ اگر بد تغیر ہو تو زندگی گندی اور بھیانک ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ انسان ان تغیرات کو محسوس نہیں کرتا۔ بعض دفعہ کرتا ہے۔ وہ اس پر غالب ہوتے ہیں یا اور بیرونی حوادث اور روکیں ہوتی ہیں جن کے باعث اس تغیر کو چھوڑ نہیں سکتا۔

انہی خیالات کے تغیر کو دیکھو تھوڑے سے تغیر سے کیا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہسٹریا کا بیمار جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں چونکہ عام طور پر یہ مرض عورتوں من زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو رحم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ورنہ مردوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے۔ جن مردوں کو یہ مرض ہو ان کو مراقی کہتے ہیں۔ گو یہ الگ بیماری بھی ہے مگر اس سے یہ اثر شدت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان بیماریوں میں دماغ کی بناوٹ میں فرق آجاتا ہے اور ایک خاص صفت غالب آجاتی ہے۔ ہسٹریا میں رونے اور ہنسنے کی صفات غالب ہوتی ہیں۔ عام طور پر ایسے مریض کے کاموں میں بے لطفی اور بے مزگی ہوتی ہے۔ خواہ ایسا شخص امیر ہو یا غریب ہو۔ بادشاہ ہو یا دولتمند ہو۔ اس کو کسی رتبہ اور مال میں لطف نہیں آتا۔ جائداد سے خوشی نہیں ہوتی۔ رتبہ و عزت سے اس کو اطمینان نہیں ہوتا۔ وہ سب سامان راحت رکھتا ہے مگر حالت اس کی بے اطمینانی کی ہوتی ہے۔ غرض وہ ایک زندہ مردہ اور غلام آزاد ہوتا ہے۔ خیالات کے تغیر سے تمام کوششیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ وہ جائداد اور رتبہ جو اس کے

آباء نے دس پندرہ پشت کی لگاتار محنت سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ وہ اس بیماری کے باعث ایسے شخص کے لئے بیکار ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ظاہری سامانوں کی فراوانی خوشی کا باعث نہیں ہوتی۔ دماغ کی پراگندگی دولت کو حقیر کر دیتی ہے۔ خیالات کی تکلیف ظاہری تکلیف سے بڑی ہوتی ہے۔ بچپن میں میں نے ایک ریڈر میں پڑھا تھا کہ ایک عورت کے بچے کو ایک جانور ایک پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر لے گیا۔ جب اس عورت کو معلوم ہوا تو وہ بے اختیار اس جانور کے تعاقب میں گئی اور اس چوٹی پر چڑھ گئی۔ بچہ کو حاصل کرلیا لیکن اب چوٹی سے اتر نہیں سکتی تھی۔ بمشکل اس کو اتارا گیا۔ وہ چوٹی جس پر لوگ عام حالات میں چڑھ نہیں سکتے تھے وہ عورت اس مامتا کی ماری چڑھ گئی۔ اس عورت کے دل میں جو اپنے بچے کی محبت تھی اس نے جو انگیخت کی وہ کمزوری پر غالب آگئی اور وہ اس پر چڑھ گئی۔ پس معلوم ہوا کہ اصلی اور اعلیٰ درجہ کی چیز جو سب چیزوں میں عمدہ ہے۔ وہ خیالات کی صفات ہے۔ ظاہری غلامی سے کہیں بڑی اور خوفناک غلامی خیالات کی غلامی ہے۔ خیالات سے جو بے اطمینانی ہوتی ہے ان کے باعث بادشاہوں نے اپنی بادشاہیوں کو چھوڑ دیا اور حکومت کی کوئی پروا نہ کی۔ بدھ نے بادشاہی اس لئے چھوڑی کہ وہ بادشاہی میں اطمینان قلب نہیں پاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی ایسے بادشاہ ہوئے ہیں جنہوں نے حکومتوں کو خیالات کی بے اطمینانی کی خاطر چھوڑ دیا۔

احساسات کی صفائی اور خیالات کی درستی کا ذریعہ کلام الٰہی ہوتا ہے۔ انسان کے خیالات پاک نہیں ہو سکتے جب تک خدا کی طرف سے مدد نہ آئے۔ جن لوگوں نے محض اپنی کوشش سے پاک ہونا چاہا وہ اندھیرے میں ٹھوکریں ہی کھاتے رہے۔ اور آخر جب معلوم ہوا تو یہ کہ وہ بیمار ہیں۔ ان لوگوں کو خاص باتوں کی دھن ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ پاک ہو رہے ہیں مگر وہ انجام کار نامراد ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ایک دھوکے میں پڑے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ جو خیالات رائج کرتے ہیں۔ وہ نہ ان کے لئے باعث تسلی ہوتے ہیں نہ دوسروں کے لئے بلکہ آزادی کی بجائے انہوں نے اپنے آپ کو اور دوسروں کو قید کر دیا۔ ان کے ذریعہ نہ حقیقی راحت ملتی ہے نہ اطمیان مل سکتا ہے۔ اطمینان اسی کو ملا ہے جس کو خدا کی آواز آئی اور اس کو راستہ بتایا۔ وہی تسلی پانے والے ہیں جنہوں نے ان سے تعلق پیدا کیا۔ جن کو خدا کی آواز آئی۔ اور ان کے ذریعہ جو صفائی خیالات حاصل ہوتی ہے وہ عام حالات سے بہت ارفع و اعلیٰ اور بالا ہوتی ہے۔

پس خیالات کی صفائی اور راحت نبیوں کے ذریعہ ملی اور آئندہ ملے گی جو لوگ نبوت کا دروازہ بند کرتے ہیں وہ دنیا کو موت کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ وہ حقیقی راحت حاصل نہیں کرتے۔ وہ دنیا کو خوشخبری نہیں پہنچاتے۔ وہ یہ کہہ کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے نبوت بند ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ نہیں بڑھاتے بلکہ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز موت کی گھنٹی تھی۔ حالانکہ آپ کی آواز بشارت کی آواز تھی جس نے دنیا کو مسرت اور شادمانی اور اطمینان سے بھر دیا اور وہی ایک انسان ہے جو مبشر کہلا سکتا ہے جس نے تمام دنیا کو بشارت دی اور شکوک و شبہات کے تمام پردے اٹھا دئے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ اپنے آپ کو تباہ کرتا اور دنیا کے لئے تباہی کا پیغام ہے۔

یہ مہینہ جو چل رہا ہے رمضان کا مہینہ ہے۔ اس میں مسلمان مجاہدہ کرتے ہیں اور خدا کی رضاء کے حصول کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں دنیا کے لئے سب سے بڑی بشارت کی بنیاد رکھی گئی جس نے دنیا کو شکوک سے نجات دلائی یعنی اس مہینہ میں قرآن کریم اترنا شروع ہوا۔ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے۔ جبرائیل آتے اور ہر سال اس مہینہ میں آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے رہے۔ یہ مہینہ دنیا کی آزادی کے لئے نشان ہے۔ اس سے ہر ایک مسلمان خوش ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ چھوٹی چھوٹی نشانیوں کو سنبھال کر رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دوست کے بال ہیں۔ یا کسی مقام کو یاد رکھتے ہیں کہ اس میں انہیں خوشخبری ملی تھی۔ کسی عمارت سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس میں پیدا ہوئے تھے۔ کہتے ہیں یہ مکان میرے والد نے کرایہ پر لیا ہوا تھا جب وہ یہاں ملازم تھے۔ تب میں پیدا ہوا تھا۔ غرض ایسی ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو خوشی کی یادگار بناتے ہیں۔ پھر اس عظیم تعلق کے نشان سے کیوں نہ خوش ہونگے کہ اس میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ رمضان حضرت مسیح موعود کی صداقت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اگر یہ کلام دائمی نہ تھا تو اس کی برکات کو دائمی کیسے قرار دیا گیا۔ ہمیشہ کے لئے قرآن کریم تب ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمان خدا سے تعلق پیدا کر سکیں۔

جہاں قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے وہاں دعا کا بھی ذکر ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے ماننے والوں اور عمل کرنے والوں پر دائمی برکات ہوتی ہیں ان پر رحمت کے دروازے بند نہیں کئے جاتے۔ اور اس کو ماننے والا جب متوجہ ہوتا ہے تو خدا کو پانے کی کھڑکی کو کھلا پاتا ہے۔ اور جب دعا کرتا ہے تو خیالات کی تاریکی سے نکل کر وثوق پیدا کرتا ہے۔

پس یہ خوشی کا مہینہ ہے۔ برکتوں کا مہینہ ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ برکتیں حاصل کرلی جاسکتی ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ کوئی راحت یقین سے زیادہ نہیں اور بے اطمینانی سے زیادہ کوئی لعنت نہیں۔ جیسا کہ پاگل ہونا لعنت ہے ایسا ہی بے اطمینانی بھی کیونکہ اور سب بیماریوں کا انسان علاج کر سکتا ہے مگر ایک یہی بیماری ہے کہ اس میں انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ پس سب سے بڑا دکھ پراگندگی خیال ہے اور سب سے بڑا سکھ اطمینان قلب ہے لیکن یہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک

انبیاء اور مامور نہ بتا دیں ورنہ عقل کوشش کرتی ہے اور سمجھ نہیں سکتی۔ جب لوگوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا۔ اس سے الگ ہو گئے ان سے اطمینان بھی چھن گیا۔ باوجود اس کے کہ کسی مذہب کی کتاب میں راحت و آرام کا یہ سامان نہیں جو قرآن کریم میں ہے لیکن نظر یہ آتا ہے کہ مسلمان سب سے کم مطمئن ہیں کیونکہ جتنی بڑی امید ہو اسی کے مطابق مایوسی بھی رنج دہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا دعویٰ سب سے بڑا دعویٰ ہے کہ ان میں خاتم النبین آیا۔ مگر اس وقت ان کی حالت میں کچھ تغیر نہیں۔ ایک عیسائی یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے سکتا ہے کہ انجیل تسلی کا موجب ہو سکتی تھی اگر محرف و مبدل نہ ہوتی۔ یہودی بھی اپنے دل کو یہی کہکر تسلی دے سکتا ہے۔ مگر مسلمان کے لئے اس طرح بھی تسلی نہیں۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کریم میں کوئی نقص نہیں آیا۔ پس جب وہ دیکھتا ہے کہ خدا کا کلام تھا۔ سچا کلام تھا۔ مگر کوئی اطمینان نہ بخش سکا تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ اس وقت وہ یہی کہے گا کہ کیا خدا کا کلام بھی تسلی نہیں دے سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جنہوں نے خدا کے دیئے ہوئے علم اور اس کی مدد سے قرآن کو پڑھا۔ ان کے لئے قرآن ایک عقدہ لانیحل نہ رہا اور ان کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ خدا کا کلام شکوک سے نجات دے سکتا ہے۔ ان انسانوں کے لئے شک نہیں کہ جنہوں نے خدا کو دیکھا۔ اس کا کلام سنا۔ دنیا کے فلاسفران کے سامنے ایک بچہ کی حیثیت میں ہو گئے اور جاہل ثابت ہوئے کیونکہ خدا کے کلام نے لانیحل عقدے اپنے پیاروں کے ذریعہ اچھی طرح حل کر دئے۔ یورپ سے کل ہی مجھے ایک خط مولوی مبارک علی صاحب کا آیا ہے جس میں انہوں نے وی آنا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کے ایک خط کی نقل کی ہے۔ (یہ یونیورسٹی یورپ بھر میں دماغی علوم کے شعبہ کے متعلق سب سے اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی گنی جاتی ہے اس کے بعد بھی اور یونیورسٹیاں ہیں۔ مگر وی آنا یونیورسٹی اعلیٰ درجہ کی ہے) یہ خط اس یونیورسٹی کے مذہبی تعلیم کے پروفیسر کا ہے جو اس نے ایک اور جرمن پروفیسر کو لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ میں تم کو دلیری سے لکھتا ہوں اور تم جانتے ہو مجھے مبالغہ کی عادت نہیں۔ نہ میں جھوٹ لکھتا ہوں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھ میں ان کتابوں کے مطالعہ نے ایک تغیر پیدا کر دیا ہے۔ یہ حضرت صاحب کی کتابوں اسلامی اصول کی فلاسفی وغیرہ کی طرف اشارہ ہے کہ مولوی مبارک علی صاحب نے یہ ان کو دی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان کتب کے لفظ لفظ نے وہ وہ مسائل حل کئے ہیں جو اب تک حل نہ ہوئے تھے۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اشاعت اسلام میں اپنا آئندہ وقت لگاؤں۔ وہ مسائل جو میری عمر بھر میں حل نہ ہوئے۔ ان کتب کی روشنی میں وہ معمولی باتیں نظر آتی ہیں۔

ایک عیسائی لیکچرار جو پچیس سال سے مذہبی لیکچر دے رہا ہے۔ اور فلسفہ پر اس کی نظر وسیع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مرزا صاحب کے سادہ سادہ بیان سے اس کے لانیحل مسائل حل ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے ہوئے نہ تھے۔ آپ نے باقاعدہ تعلیم بھی مدارس میں نہ پائی تھی۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ آپ کے بیان سے علوم کے عقدے حل ہونے لگے۔ یہی کہ آپ پر خدا کی وحی نے علوم کھول دئے۔ یہ وحی کی برکت ہے۔ اس میں انسانی عقل کا دخل نہیں۔ فلاسفہ کی کتابوں میں یہ بات نہیں ہو سکتی جو حضرت اقدس کی کتابوں میں ہے کہ ان سے تسلی ہوتی ہے۔ قرآن کریم سے تسلی ہوتی ہے اور یہی حالت حضرت صاحب کی کتب کی ہے کہ یہ بھی وحی کی روشنی میں لکھی گئی ہیں۔ فلاسفہ اس کوچے سے ناواقف اور اس بات میں بچے ہیں۔ پس یہ اطمینان اور یہ نصرت اللہ تعالیٰ کی تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ دل کا واقف ہے۔ وہ جس پر جلوہ کرتا ہے اس کو منور کر دیتا ہے۔

غرض یہ اسلام کی برکت ہے کہ سلسلہ وحی جاری ہے۔ اس کا تعلق رمضان سے ہے۔ ہماری جماعت کا فرض ہے کہ اس ماہ مبارک کی قدر کرے اور برکات کو جمع کرے۔ ہمیں اس خدا کی برکت کے نشان کی قدر کرنی چاہیئے۔ خدا ہمیں زیادہ برکتیں دے گا۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اپنے لئے اور ترقی روحانیت کے لئے اور خصوصاً اس جنگ عظیم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جس میں آجکل ہماری جماعت شامل ہے دعا کریں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے کلام کی اشاعت کی توفیق ملے۔ اس پر عمل کرنے کی توفیق ملے۔ اگر یہ بات حاصل ہو جائے تو باقی سب دنیا کی چیزیں ہیچ ہیں۔ یہ مل جائے تو اور بھی سب کچھ مل جائے گا۔

(الفضل ۳۰ / اپریل ۱۹۲۳ء)

۱ے بخاری کتاب الصوم باب اجود ما کان النبی یکون فی رمضان